ڈاکٹر شریف حسین قاسمی :

برِّ صغیر کے مشائخ کی مجالس و آثار میں عطّار کا ذکر

شیخ ابی حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم مشہور بہ فرید الدین عطّار نیشا پوری چھٹی اور ساتویں صدی ہجری / بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے معروف ایرانی شاعر اور صوفی ہیں۔ حالانکہ خود ان کے " تذکرۃ الاولیاء " سے بہت سے قدیم صوفیہ کرام کے حالات زندگی اور ان کے تولد و وفات کے بارے میں بنیادی اطلاعات اخذ کی جاتی ہیں ، لیکن خود عطّار کی تاریخ تولد اور وفات سے متعلق مؤرّخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق عطّار چھے شعبان ۵۳۰ھ / ۱۱۳۶ء یا ۵۳۷ ہجری کو نیشا پور میں پیدا ہوئے اور نسبتہً ایک طویل زندگی گذارنے کے بعد ۵۸۹ھ / ۱۱۹۲ء اور ۶۳۲ ہجری کے درمیان کسی وقت فوت ہوئے ۔ (۱)

دواعلِ زندگی میں دنیا ان پر غالب رہی ، لیکن جلد ہی ایک ایسا وقت آیا کہ عطّار نے دنیوی آلایشوں سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا اور عرفان و سلوک کی بے کراں وادی میں قدم رکھا۔ وہ سفر پر نکل آئے ۔ شیخ نجم الدین کبریٰ (۲) کی خدمت میں پہنچے ، ان سے بیعت ہوئے ۔ شیخ مجدّد الدّین (۳) سے بھی کسب فیض کیا۔ اس طرح سیر و سلوک کے عالی مقام پر فائز ہوگئے ۔ اس وجہ سے انھیں صوفیہ کے طبقے میں ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے ۔ مولانا جلال الدّین رومی (متوفی ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء) ، محمود شبستری (متوفی ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء) اور مولانا عبدالرحمٰن جامی جیسے صوفیۂ عالی مقام نے ان کا احترام سے ذکر کیا ہے اور انھیں ایک عارف کامل ، سلوک سے آشنا مرشد اور واصل بہ حق و حقیقت سمجھا ہے ۔ مولانا روم ایک بار اپنے والد کے ہمراہ بلخ سے نیشا پور پہنچے اور عطّار کی خدمت میں حاضر ہوئے (۴)۔ مولانا عطّار کو " روح تن عرفان " سمجھتے ہیں (۵)۔ جامی کے بقول ایک سو پچاس سال بعد منصور حلّاج کا نور شیخ فرید الدین عطّار کی روح میں نمایاں ہوا ہے اور اسی نور نے ان کی تربیت کی ہے (۶)۔

مختلف سلسلوں کے ہندوستانی عرفاء و مشائخ نے بھی عطّار کو احترام و اعتبار کی نگاہ سے دیکھا ہے ۔ وہ ان کی کتابوں اور تعلیمات سے بہرہ مند ہوئے ہیں ۔ عطّار کے آثار و افکار کی

گونج تقریباً ہر بڑے ہندوستانی عارف و صوفی کی مجالس میں سنی جاسکتی ہے۔ ہندوستانی عرفاء کی تالیفات میں عطاّر کا ذکر اس قدر کثرت سے ملتا ہے گویا ہمارے مشائخ جامی کے اس نظریے کے حامل تھے کہ " عطاّر کی مثنویات اور غزلیات میں اس قدر اسرارِ توحید، حقایقِ اذواق و مواجید محفوظ ہیں کہ اس طبقے کے کسی دوسرے شخص کے آثار میں نہیں پائے جاتے (۷)۔

ہندوستانی مشائخ کی نگاہ میں عطاّر ایک حقیقی عارف اور مرشد کامل ہیں۔ ہمارے مشائخ کرام نے اپنی مجالس میں عرفانی موضوعات پر اظہار خیال کرتے وقت عطار کا نہ صرف احترام سے ذکر کیا ہے بلکہ ان کے احوال، تعلیمات اور عرفانی عقاید و افکار کو اپنے وابستگان کی راہنمائی اور خود اپنے طریقۂ سلوک کی تصدیق و تائید کے لیے بیان کیا ہے۔ عطاّر کی غزلیات ان کا تذکرۃ الاولیاء، پند نامہ، منطق الطّیر وغیرہ وہ کتابیں ہیں جن کا ہمارے مشائخ نے خاص طور پر مطالعہ کیا اوراپنے اپنے عرفانی ادراکات کی تصدیق کے لیے ان کتابوں سے أخذ و اقتباس کیا اور شواہد پیش کیے۔ اس کی وجہ وہی ہے جسے عطاّر نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

> بعد از قرآن و احادیثِ نبوی صحیح سخن بالای سخن مشایخ طریقت نیست۔ رحمہم اللہ علیہم۔ کہ سخن ایشان نتیجۂ کارہا وحال است، نہ ثمرۂ حفظ و قال و از عیان است نہ از بیان، و از اسرار است نہ از تکرار و از جوشیدن است نہ از کوشیدن و از علم لدنی است نہ از علم کسبی و از علم ادبی است نہ از جہان علمنی ابی کہ ایشان ورثہ انبیا اند (۸)۔

ایران اور برّصغیر پاک و ہند میں متعدد دانشوروں نے عطاّر کے احوال زندگی اور ان کے آثار پر گرانقدر کتابیں اور مقالات تحریر کیے ہیں، لیکن تصوف و عرفان کے موضوع پر برصغیر میں لکھی جانے والی بے شمار کتابوں سے عطاّر کی زندگی پر جو قابل قدر روشنی پڑتی ہے، وہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی ہے۔ اس کا امکان ہے کہ عطاّر کے بارے میں جو اطلاعات برصغیر کے مشائخ کی تصنیفات و تالیفات میں بکھری ہوئی ہیں، وہ ایران کے اس عظیم صوفی اور شاعر کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں کو اجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوں جن پر ابھی تک تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے یا جن کے بارے میں محققین کے درمیان اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ اصل موضوع پر اظہار خیال کیا جائے، یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ایران میں سلجوقی بادشاہوں کے ہاتھوں پسپا ہونے کے بعد غزنوی خاندان کی حکومت پہلے

غزنی، اس کے اطراف اور پنجاب تک محدود ہوگئی۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ غزنویوں کو صرف پنجاب ہی میں حکومت کرنے پر اکتفا کرنا پڑا۔ ان غزنوی بادشاہوں نے لاہور کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے لاہور برِصغیر پاک و ہند میں فارسی زبان و ادب کا سب سے پہلا عظیم مرکز بن گیا۔ ادباء، شعراء اور دیگر علماء و صوفیہ کی ایک تعداد غزنوی بادشاہوں کے ساتھ اسی لاہور میں سکونت پذیر اور اپنے اپنے مخصوص میدان میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھانے میں مصروف ہوگئی۔ اس ضمن میں تذکرۂ سلاطین آلِ غزنین کا بیان قابلِ غور ہے کہ:

"جوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہند و ولایتہای کاشغر و ماوراءالنہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنین و ہری و غیر ذلک ازان خیرات منبع منتفع می شدید، چنانکہ یک آبادانی نو درحدود لاہور پدید آمد (۹)۔

اسی وجہ سے لاہور کو "غزنین خورد" کہا جانے لگا تھا۔

مسعود سعد سلمان، ابوالفرج رونی اور نکتی وغیرہ اسی دور کے فارسی شعراء ہیں جن کے کلام سے اس دور کی، حتیٰ کہ سیاسی تاریخ کے بعض اہم پہلوؤں پر بھی گرانقدر روشنی پڑتی ہے (۱۰)۔

سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری اسی دور میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یہی وہ دور ہے جب ایران سے مختلف عرفاء نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ چشتی اور سہروردی سلسلوں کے مشائخ اسی دور میں ایران کے مختلف علاقوں سے ہندوستان آئے اور تبلیغ اسلام اور اپنے اپنے سلسلوں کی ترویج میں منہمک ہوگئے۔

کچھ عرصے بعد ایران اور عالم اسلام کے دوسرے علاقوں پر چنگیزی بربریت نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ان علاقوں میں رہنا مشکل ہوگیا۔ اس وجہ سے علماء، دانشور، عرفاء، شعراء اور ادباء وغیرہ کے علاوہ اہلِ حرفہ اور عام لوگوں کے ایک جمِ غفیر نے ہندوستان کا رخ کیا جہاں حالات نسبتہً پرسکون تھے اور جو منگولوں کے مظالم سے اس وقت محفوظ نظر آ رہا تھا۔ باہر سے آنے والے ان افراد کی وجہ سے صرف دہلی میں کیا صورت حال پیدا ہوگئی تھی، اس کا نقشہ عصامی نے اپنی مثنوی فتوح السلاطین میں جو آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کی تالیف ہے، ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

بسی سیّدان صحیح النسب	رسیدند در دی ز ملک عرب
بسی کاسبان خراسان زمین	بسی نقشبندان اقلیم چین
بسی عالمان بخارا نژاد	بسی زاہد و عابد از بر بلاد

ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گران ز ہر شہر و ہر اصل سیمین بران
حکیمانِ یونان ، طبیبانِ روم بسی اہلِ دانش ز ہر مرز و بوم
دران شہرِ فرخندہ جمع آمدند چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند (۱۱)۔

بہرحال ایران وغیرہ سے ان آنے والے افراد میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں تھی جو ایرانی عرفاء وغیرہ سے واقف تھے ۔ ان کے حالات کا انھیں اندازہ تھا ، وہ ان کی تعلیمات سے بہرہ مند اور ان کے ارادت مند تھے۔ ہندوستان میں ان واقف کار حضرات نے متعلقہ عرفاء و مشائخ کا تعارف کرایا جو ہمارے صوفیہ کی تالیفات میں محفوظ ہے اور جسے معتبر سمجھا جانا چاہیے۔ بعض اوقات یہ اطلاعات نہایت اہم نظر آتی ہیں ، چوں کہ یہ اپنی نوعیت اور کمیاب قسم کی اطلاعات ہیں اور ایرانی عرفاء کی شخصیت کو مکمل طور پر سمجھنے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ۔

برّصغیر کو یہ فخر حاصل ہے کہ فارسی شعراء کا اولین تذکرہ " لباب الالباب " عوفی نے اسی سرزمین پر ۶۱۸ھ میں مرتب کیا ۔ عوفی نے اپنے اس تذکرے میں عطّار کا تعارف کرایا ہے (۱۲)۔ اس طرح عطّار کو خود ان کی زندگی میں نہ صرف برّصغیر پاک و ہند بلکہ تمام دنیاے تصوف اور جہان ادب فارسی میں روشناس کرانے کا سہرا محمّد عوفی کے سر ہے ۔ اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ عطّار کے بارے میں جو کچھ ہمارے عرفاء کی تصنیفات و تالیفات میں درج ہے ، وہ صرف لباب الالباب کی اطلاعات پر مبنی نہیں ۔ برّصغیر کے مشائخ نے عطّار کے آثار کا بلا واسطہ مطالعہ کیا اور اس طرح عطّار کے بارے میں ان کی دوسری اطلاعات اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ عوفی سے کہیں زیادہ عطّار سے واقف تھے ۔ عطّار کے بارے میں برّصغیر کے مشائخ کا مأخذ صرف وہ کتابیں نہیں جن میں عطّار سے متعلق اطلاعات فراہم کی گئی ہیں بلکہ وہ روایات بھی ہیں جو ایسے حضرات کے ذریعے ان تک پہنچی ہیں جو ایران سے مستقل برّصغیر آتے رہتے تھے اور برّصغیر کے مشائخ کی خانقاہیں غریب الوطنی میں ان کی بہترین پناہ گاہیں ہوتی تھیں اور جہاں وہ عطّار اور دیگر ایرانی مشائخ کے بارے میں اپنے اپنے مشاہدات بیان کرتے تھے ۔ ان ایرانیوں میں ظاہر ہے بعض ایرانی عرفاء کے پیروکار بھی رہے ہوں گے ، بعض کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل رہا ہوگا ، ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے ہوں گے اور یا پھر انھوں نے ایسے حضرات اور ذرائع سے ایرانی مشائخ کے بارے میں اطلاعات حاصل کی ہوں گی جو ایران کے اہل طریقت سے وابستہ رہے ہوں گے ۔ بہرحال ایرانیوں نے جو اطلاعات

ایرانی مشائخ کے بارے میں ہم پہنچاتی ہیں وہ زیادہ تر خود ان کے اپنے مشاہدات اور یا پھر ایسی روایات پر مبنی ہیں جو خود ان کے دور میں ایران میں رائج تھیں ۔ ظاہر ہے کہ انھیں بے بنیاد قرار دے کر ، ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ برصغیر کے مشائخ کی مجالس اور ان کی تصانیف میں ایران کے تقریباً تمام مشہور مشائخ اور اہل طریقت کی کتابوں سے نقل و اقتباس کیا گیا ہے۔ اس امر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہمارے مشائخ نے اپنے اپنے سلسلوں کی تکمیل ، اپنے افکار کی تائید اور تصدیق اور اپنے سلسلوں کی ترویج کے لیے تصوف کے مختلف دبستانوں سے خوشہ چینی کی ہے ۔ نور العلوم تالیف ابوالحسن خارقانی (متوفی ۴۲۴ھ / ۱۰۳۳ء) ، نور المریدین معروف بہ شرح تعرف تالیف ابوابراہیم مستملی بخاری (متوفی ۴۳۴ھ / ۱۰۴۳ء) ، رسالۂ امام ابوالقاسم قشیری (متوفی ۴۶۵ھ / ۱۰۷۳ء) ، سخنانِ شیخ ابو سعید ابی الخیر (متوفی ۴۴۰ھ / ۱۰۴۹ء) ، خواجہ عبداللہ انصاری (متوفی ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء) کی مختلف تصانیف ، تمہیدات عین القضات ہمدانی (مقتول ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰ء) ، آداب المریدین تالیف استاد نجم الدین کبریٰ معروف بہ شیخ ولی تراش (مقتول ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) ، سنائی مشہدی (متوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰-۳۱ء) کی تصانیف ، مولانا جلال الدین رومی (متوفی ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء) کی مثنوی اور غزلیات ، نجم الدین دایہ (متوفی ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء) کی مرصاد العباد ، سیف الدین باخرزی (۵۸۶-۶۵۹ھ / ۱۱۹۰-۱۱۶۰ء) کا رسالہ ، عطار کی منظوم و منثور تصانیف ، سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء) کی کتابیں ، حافظ شیرازی (۷۲۹ھ - ۷۹۲ھ / ۱۳۲۹-۱۳۹۰ء) کی غزلیات اور عراقی ، جامی وغیرہ کے آثار ہمیشہ مشائخ برصغیر کے مطالعے میں رہے ہیں اور ان صاحبانِ طریقت نے ان سے استفادہ اور استناد کیا ہے ۔

عطار کی زندگی ، ان کی تعلیمات اور عرفانی عقائد کے بارے میں ہندوستانی مشائخ کے آثار میں جو اہم اشارے مندرج ہیں ، ذیل میں ان پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے ۔

شیخ شرف الدین بو علی قلندر ہریانا کے شہر پانی پت میں ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ خود ان کے والد فخر الدین بھی ایک صوفی تھے ۔ نواحِ کرمان میں پیدا ہوئے تھے ۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شاہ محمد کرمانی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ ان کے ایک لڑکے نظام الدین اوائل جوانی میں ہندوستان آگئے اور پانی پت میں مقیم ہوگئے تھے ۔ بو علی قلندر کے والد اپنے خاندان کے ہمراہ اپنے لڑکے سے ملنے ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو رہے ۔ پانی پت میں مستقل قیام اختیار کیا ، جہاں ان کا ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں انتقال ہوا ۔ شیخ شرف الدین

بو علی قلندر کو تصوّف کا ذوق اپنے والد سے ورثے میں ملا تھا ۔ بو علی قلندر نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک مدت تک مسجد قوۃ الاسلام میں درس دیا اور ایک روایت کے مطابق آپ یہاں وعظ و تذکیر میں بھی مشغول رہے ۔ بعض قرائن اور روایات کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی اوشی (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) یا سیّد خضر رومی قلندر یا سیّد بحری قلندر سے بیعت تھے ۔ خود بوعلی قلندر نے اپنے ایک رسالے میں یہ اطلاع بھی فراہم کی ہے کہ انھوں نے بلا واسطہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت سے کسب فیض کیا ہے ۔

ای برادر ! بدان کہ مرا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ علمِ حقیقت و علمِ قیل و قال بیا موزانید ۔ از و روحانیت یافتم (۱۳)۔

بو علی قلندر نے عالم اسلام کے بعض علاقوں کا سفر اور مشائخ و علماء سے کسب فیض کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے سفر کے دوران یہ قونیہ پہنچے اور شیخ شمس الدّین تبریزی (متوفی ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء) اور مولانا جلال الدّین رومی کی خدمت بابرکت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا انتقال ۷۲۴ھ / ۱۳۲۴ء میں ہوا ۔ آپ کا مزار آج بھی پانی پت میں مرجع خلائق ہے (۱۴)۔

شیخ شرف الدّین بوعلی قلندر کے بارے میں فزونی استر آبادی نے اپنی کتاب بحیرہ میں یہ اہم بات لکھی ہے کہ :

شیخ عمّار بہ خدمتِ قطب الاقطاب شاہ مدار عرضہ داشتی کرد کہ جوینده کار موحد کی شود فرمان آمد کہ ای عزیز ! عجب سوالی کردی ۔ درمیان صد ہزار رہرو یکی موحد باشد ۔ چنانچہ گویند چہار کس در راہِ خدا قصد کردند ۔ شیخ شرف الدّین پانی پتی و خواجہ احمد غزالی و فرید الدّین عطّار و رئیس الحکماء بو علی ۔ آقا شیخ شرف الدّین بہ قوّۂ علم خود تا دروازۂ توحید رسید و کشتہ شد و مرشد نداشت کہ درون دروازہ توحیدش برد ... (۱۵)۔

شیخ بوعلی قلندر سے متعدد کتابیں منسوب ہیں۔ ان میں ایک مثنوی گل و بلبل (۱۶) بھی ہے جو ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء کے بعد نظم کی گئی تھی (۱۷)۔ عرفان و اخلاق کے بنیادی اسرار و رموز اس میں بیان کیے گئے ہیں ۔

بوعلی قلندر نے یہ مثنوی بہ ظاہر مولانا روم کی مثنوی کی پیروی میں نظم کی ہے ۔ " گل و بلبل " اور مولانا کی مثنوی بحررمل مُسدّس مخذوف (فا علاتن فاعلاتن فاعلن) میں کہی گئی ہیں اور ان دونوں ہی مثنویوں میں بعض ابیات بحررمل مسدّس مقصور (فا علاتن فاعلاتن فاعلان) میں بھی ملتے ہیں۔ دونوں مثنویوں کا آغاز ایسے ابیات سے ہوتا ہے جن میں روح کو خطاب کیا

گیا ہے ۔ مثنوی معنوی میں روح کی ترجمانی "نے" کر رہی ہے جب کہ "گل و بلبل" میں "بلبل باغ کہن" روح کی نمائندہ ہے ۔ "گل و بلبل" میں درج ذیل ابیات مثنوی معنوی سے ماخوذ ہیں :

مولوی فرمود نشنیدی مگر — سنگ گرمی بود ، می کردی اثر
ای کمان و تیربا برساختہ — صید نزدیک و تو دور انداختہ
ہرکہ دور اندازد ، او شد دور تر — وز چنین گنج است او مہجور تر (۱۸)

بوعلی قلندر نے اپنی مثنوی گل و بلبل میں مثنوی معنوی کے علاوہ عطّار کی منطق الطّیر سے بھی استفادہ کیا ہے ۔ مثنوی گل و بلبل غالباً وہ سب سے قدیم مثنوی ہے جس میں ایک ہندوستانی صوفی نے عطّار کی منطق الطیر کی پیروی کی ہے ۔ بو علی قلندر نے مثنوی معنوی کی طرح ، منطق الطّیر سے بھی چند ابیات اپنی اس مثنوی میں شامل کیے ہیں ۔ مثال کے طور پر یہ بیت منطق الطّیر سے ماخوذ ہے :

تو مباش اصلا ، کمال اینست و بس — تو درو گم شو ، وصال اینست و بس (۱۹)

اسی طرح "منطق الطّیر" اور "گل و بلبل" کا تقابلی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ عطّار کی وفات کے تقریبا ستّر سال بعد بو علی قلندر نے اپنی مثنوی گل و بلبل کو نہ صرف منطق الطّیر کی ظاہری شکل و صورت میں نظم کیا ہے ، بلکہ عطّار کی اس مثنوی کے بعض مطالب کو بھی عطّار ہی کے اسلوب بیان کے مطابق بیان کیا ہے ۔ منطق الطّیر کے درج ذیل ابیات ملاحظہ کیجیے:

مرحبا ! ای ہدہدِ ہادی شدہ — در حقیقت پیکِ ہر وادی شدہ (۲۰)
مرحبا ! ای طوطیِ طوبیٰ نشین — پوشتت حلّہ است و طوقت آتشین (۲۱)
مرحبا ! ای عندلیبِ باغِ عشق — نالہ ای کن خوش ز دردو داغِ عشق (۲۲)

گل و بلبل کے درج ذیل ابیات میں بوعلی قلندر نے یہی پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے :

مرحبا ! ای بلبلِ باغِ کہن — از گلِ رعنا بگو با ما سخن
مرحبا ! ای ہدہدِ فرخندہ فال — مرحبا ! ای طوطیِ شکّر مقال
مرحبا ! ای قاصدِ طیّارِ ما — می دہی ہردم خبر از یارِ ما (۲۳)

حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء (متوفّی ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) بوعلی قلندر کے معاصر ہیں۔

چشتی دبستان تصوّف کو ایک خاص نظم و ضبط کے ساتھ برّصغیر میں متعارف کرانے میں آپ کی خدماتِ جلیلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہیں (۲۴)۔ آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" (۲۵) کو برّصغیر کے مشائخ کے ملفوظات کی تاریخ میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے یہ ملفوظات سعدیِ ہند حضرت امیر حسن سنجری دہلوی نے مرتّب کیے ہیں۔ فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء کے اعلیٰ ادبی ذوق کا ثبوت ہیں۔ آپ نے عطّار کے علاوہ دوسرے ایرانی صوفی یا صوفی مشرب شعراء و ادباء کے آثار کا مطالعہ کیا تھا اور اپنی گفتگو کے دوران آپ ان ایرانی شعراء اور مشائخ کے کلام سے استفادہ فرماتے تھے۔ ابو سعید ابی الخیر، سیف الدّین باخرزی، خاقانی شروانی، حکیم سنائی، سعدی شیرازی وغیرہ وہ ایرانی شعراء و صوفیہ ہیں جن کے اقوال حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی مجالس میں کثرت سے نقل کیے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدّین نے اپنی ایک مجلس میں شیخ جلال الدّین تبریزی (۲۶) کا ذکر کیا ہے۔ یہ شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے جن کی وفات کے بعد وہ شیخ شہاب الدّین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۱ء) کی خدمت میں پہنچے (۲۷)۔ اس کے بعد ہندوستان منتقل ہوگئے اور اس برصغیر میں سہروردی سلسلے کے بانی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے وابستگی اختیار کرلی۔ شیخ جلال الدّین تبریزی بنگال گئے اور وہاں فوت ہوگئے (۲۸)۔ شیخ جلال الدّین تبریزی نے برّصغیر میں اپنے معاصر مشائخ سے روابطِ حسنہ برقرار رکھے۔ برّصغیر کے مشائخ سے گفتگو کے دوران یہ اپنے عینی مشاہدات اور شخصی تجربات بیان کیا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدّین تبریزی ایران میں زیادہ معروف نہیں۔ آپ نے عطّار کو نیشا پور میں دیکھا تھا۔ اپنے ذاتی اور عینی مشاہدے کی بنیاد پر شیخ تبریزی نے تصوّف و عرفان کے میدان میں عطّار کے بلند مقام پر فائز ہونے کی تصدیق کی ہے۔ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے یہ پورا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "شیخ جلال الدّین تبریزی طیب اللہ ثراہ خواجہ فرید الدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ را در نیشا پور دیدہ بود، مگر وقتی با شیخ بہاء الدّین زکریا رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرد کہ من خواجہ فرید الدّین عطّار را دیدہ بودم۔ با من گفت کہ مرا مرد خدا نشان دہ، نتوانستم کہ کسی را نشان دہم۔ شیخ بہاء الدّین چون این بشنیدہ گفت: درین محل چرا از شیخ شہاب الدّین نشان ندادی شیخ جلال الدّین گفت کہ من مشغولی کہ در خواجہ فرید الدّین عطّار دیدم، مشغولی دیگران بہ جنب آن معزولی است" (۲۹)۔

حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء نے اپنی ایک دوسری مجلس میں عطّار کے بارے میں ایک تاریخی اہمیت کا واقعہ نقل کیا ہے ۔ یہ واقعہ آپ کو ایک بوڑھے شخص نے سنایا تھا۔ ان بزرگ نے ممکن ہے عطّار کو دیکھا ہو اور ایران پر چنگیزی حملے کے بعد تباہی و بربادی سے بچنے کے لیے ہندوستان کا رخ کیا ہو ۔ ظاہر ہے حضرتِ محبوبِ الٰہی کی نظر میں یہ ایک معتبر شخص تھا اور اس وجہ سے آپ نے اس کے یہ الفاظ اپنی مجلس میں دہرائے کہ :

" من خواجہ فرید الدّین عطّار رادیدہ بودم ۔ در اوائل حال عظیم پریشان قدم بود " (۳۰)

معلوم ہے کہ خواجہ فرید الدّین عطّار کو اوائل زندگی میں تصوّف و سلوک سے کوئی واسطہ نہیں تھا وہ تو محض ایک عطّار تھے اور اپنے شغل میں مصروف " عظیم پریشان قدم " سے یہی مراد ہے۔ عطّار نے بعد میں تصوف کی طرف رجوع کیا ، دنیا اور دنیاداری سے تائب ہوگئے، ریاضت و مجاہدات نے انھیں دنیاے عرفان میں ایک عالی مقام پر فائز کر دیا ۔ اسی وجہ سے مذکورہ بزرگ کا درجِ بالا قول نقل کرنے کے بعد خواجہ نظام الدّین اولیاء فرماتے ہیں کہ :

" چون عنایتِ حق در آید چنین چیز با شود " (۳۱)

خواجہ نظام الدّین اولیاء نے منگولوں کے ہاتھوں عطّار کے قتل ہونے کے بارے میں ایک نہایت اہم اطلاع فراہم کی ہے ۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ :

او (عطّار) شہید شد و آن چنان بود کہ کفّار (یعنی منگولہا) در نیشا پور رسیدند و او باہفدہ یار بہم مستقبل قبلہ نشستہ بود ، منتظر آن کہ کافران بیایند و ایشان را شہید کنند ، ہماں زمان کافران در رسیدند و تیغ در نہادند و کشتن آغاز کردند ، دراں وقت خواجہ فرید الدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ چوں دید کہ یاراں اورا کشتن گرفتند ، دراں حال فی گفت : این چہ تیغ قہّاری است واین چہ تیغ جبّاری است ، چوں اورا کشتن گرفتند ، آں زمان می گفت این چہ کرم است واین چہ مکرمت است و این چہ احسان است (۳۲)

بیشتر تذکرہ نگاروں نے عطّار کے قتل کے بارے میں اسی طرح کی حکایات بیان کی ہیں ۔ دولت شاہ سمرقندی کے بقول چنگیزی فتنے کے دوران عطّار کو منگولوں نے گرفتار کرلیا اور قتلِ عام کے وقت یہ بھی شہید کر دیے گئے۔ عطّار کی یہ کوشش رہی کہ انھیں جلد قتل کر دیا جائے (۳۳) دوسرے مأخذ میں بھی یہی داستان بعض جزئی تصرفات کے ساتھ بیان کی گئی ہے

۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عطّار کے قتل کے بارے میں یہ روایات نویں صدی ہجری میں عام ہو گئی تھیں ۔ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے نسبتہً مختلف ہے اور اس پر عرفانی رنگ زیادہ غالب ہے ۔

استاد سعید نفیسی نے منگولوں کے ہاتھوں عطّار کے قتل کو بے بنیاد قرار دیا ہے (۳۴)۔ اس کے برخلاف ہمارے دور کے معروف ایرانی محقّق استاد عبدالحسین زرّین کوب کی نگاہ میں عطّار کے قتل کے سلسلے میں فوائد الفواد میں مندرج اطلاع صحیح اور معتبر ہے ۔ زرّین کوب صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :

> درین مجموعہ (فوائد الفواد) کہ شاعرِ دہلی طی پانزدہ سال مصاحبت با شیخ از اقوال وی جمع آوردہ است ، بہ سبب آن کہ مبنی بر مشہودات و مسموعات خواجہ نظام الدّین اولیاء و غالباً متضمن مطالب جالب و قابل اعتماد است ، یک جا بہ مناسبت اشارت بہ حیات عطّار در زمان واقعۂ تتار دارد ، وجای دیگر ضمن اشارت بہ شیخ جلال الدّین تبریزی کہ شیخ عطّار را ملاقات کردہ بود ، واقعۂ شہادت اورا بر دست تتار تصریح می کند واین نکتہ برای اثباتِ شہادتِ شیخ بر دستِ تتار کافی است (۳۵)۔

دس ربیع الاول ۷۰۹ھ (۱۳۰۹ء) بروز ہفتہ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے اپنی خانقاہ میں ایک مجلس منعقد کی ۔ اس مجلس میں آپ نے دعا ، اس کی اہمیت ، مناسبت اور استجابت کے بارے میں فرمایا کہ : دعا قبل از نزول بلا می باید کرد (۳۶)۔ فوائد الفواد میں حسن سنجری دہلوی نے لکھا ہے کہ خواجہ صاحب نے اس سلسلے میں عربی میں بھی ایک جملہ ارشاد فرمایا جس کا مفہوم حسن سنجری کے بقول یہ تھا کہ :

> بلا چون نازل می شود ، دعا از فرد بالا می رود و ہر دو در ہوا یک جا متعارض می شوند ، اگر دعا را قوتی باشد ، بلا را باز گرداند و اگر نہ بلا فرود می آید (۳۷)

بلا و دعا کے بارے میں اس منطقی وضاحت کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے نیشا پور پر منگولوں کے حملے ، غارتگری اور اس تاریخی شہر میں عام بربادی و تباہی کے بارے میں ایک حکایت بیان فرمائی اور دعا و بلا کے سلسلے میں اپنے قول کی تصدیق و تائید میں عطّار کی تعلیمات اور عقائد سے استفادہ کیا اور فرمایا : چون بلای مغل بہ نیشا پور رسید ، بادشاہی کہ آنجا بود ، کس بر شیخ فرید الدّین عطّار فرستاد ۔ قدّس اللہ سرّہ العزیز کہ دعا بکن ، او جواب گفت کہ

وقت دعا گذشت ، وقت رضا است ، یعنی بلای خدا نازل شد ، تن بہ رضا باید داد (۳۸) ۔ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے عطّار کے اس عقیدے سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا ، بلکہ اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا ہے کہ : بعد از نزولِ بلا ہم دعا باید کرد ، اگرچہ بلا دفع نشود ، امّا صعوبتِ بلا کم شود (۳۹) ۔ خواجہ صاحب کے یہ جملے احادیث نبوی کے گہرے مطالعے اور ان کے افہام کا ثبوت ہیں (۴۰)۔

محمّد ملقّب بہ امیر خورد کرمانی (۴۱) (متوفّی ۷۷۰ھ / ۶۹-۱۳۶۸ء) فرزند سیّد نور الدّین مبارک (متوفّی ۱۵ ماہ صفر ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء) کی سیر الاولیاء کو اس وجہ سے بڑی اہمیّت حاصل ہے کہ اس میں دورِ اوائل کے ہندوستانی چشتی مشائخ کے معتبر حالات بیان کیے گئے ہیں ۔ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے کہ اگر امیر خورد نے اپنی سیر الاولیاء میں ان صاحبانِ طریقت و حقیقت کے احوال بیان نہ کیے ہوتے تو متعدد چشتی مشائخ کے بارے میں ہماری اطلاعات یا تو بالکل مفقود ہوتیں یا ناقص ۔ سیر الاولیاء کے مشتملات خود مُصنّف کے اپنے عینی مشاہدات اور ان بیانات پر مبنی ہیں جو اس نے اپنے خاندان کے ایسے مختلف حضرات سے سنے تھے جو اس دور کے بیشتر چشتی مشائخ سے نزدیکی روابط رکھتے تھے ۔ امیر خورد کرمانی کو جیسا کہ سیر الاولیاء کے مطالعے سے پتا چلتا ہے ، فارسی زبان اور اس کے ادب خاص طور پر عرفانی شاعری سے ایک خاص علاقہ تھا۔ انھیں فارسی شعراء کے بے شمار اشعار یاد تھے جنھیں جا بجا ضرورت کے مطابق اور حسب حال سیر الاولیاء میں نقل کیا گیا ہے ۔

امیر خورد کرمانی خواجہ نظام الدّین اولیاء کے عرفانی اخلاق کی وضاحت کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ انھوں نے کبھی راز ہای دوست کسی پر افشا نہیں کیے اور یہ مصرع آپ کی نوک زبان پر رہتا تھا :

مردان ہزار دریا خور دند و تشنہ رفتند

خواجہ صاحب نے تادم واپسیں عالمِ صحو میں زندگی بسر کی ۔ امیر خورد کرمانی خواجہ صاحب کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد عطّار کی درج ذیل رباعی نقل کرتے ہیں جس میں اسی عرفانی امتیاز کو بیان کیا گیا ہے :

عاشقی چیست ترکِ جان گفتن　　سرِّ کونین بی زبان گفتن
راز ہای کہ در دلِ پُر خون ست　　جملہ از چشمِ خون فشان گفتن (۴۲)

بقول امیر خورد کرمانی حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء نے ایک روز اپنی مجلس میں توبہ

اور اس کی اقسام پر اظہار خیال فرمایا کہ :

توبہ دو نوع است ، توبۂ عوام النّاس و توبۂ خواص ، توبۂ عوام توبہ از گناہ است و توبۂ خواص آنست کہ از ماسوی اللہ توبہ کند و ہمین توبہ سالک راہ حقیقت است ۔ سالک باید در توبہ استقامت داشتہ باشد زیرا کہ استقامت شرط اوّل در سلوک است و این استقامت تنہا با اتباع شریعت محمّدی بدست می آید ۔

خواجہ صاحب کے اس عقیدے کی ترجمانی کے بعد امیر خورد کرمانی اس کی تصدیق و تائید میں عطّار کے اس بیت سے مدد حاصل کرتے ہیں :

جاودیہ در متابعت مصطفیٰ گزین تا نور شرع او شودت بر تو مقتدا (۴۳)

امیر خورد کرمانی حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انسان کو جہاں عشق میں وسیع حوصلے کا حامل ہونا چاہیے تاکہ وہ اسرار دوست کے قابل ہوسکے ۔ اس کے بعد وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں ، جس کا مفہوم ہے کہ جو شخص عاشق ہوگیا ، پرہیز گار رہا اور جس نے اپنے عشق کو برملا نہیں کیا اور فوت ہوگیا وہ مقام شہادت پر فائز ہوجاتا ہے ۔ امیر خورد کرمانی کے بقول کاملوں اور واصلانِ حق کا بے شک یہی مرتبہ ہوتا ہے ۔ خواجہ صاحب اور خود اپنے اس عقیدے کی تائید کے لیے بھی امیر خورد کرمانی عطّار کے ان دو ابیات کا سہارا لیتے ہیں کہ :

گرزی وصلش چو دریا در کشد مست لا یعقل مشو مخمور باش

گنج وحدت گیر چون عطّار بیش پس بہ کنجی در شو و مستور باش (۴۴)

حضرت خواجہ صاحب اور امیر خورد کرمانی نے عشق اور اسے پنہاں رکھنے کے لیے جن عقائد کا اظہار کیا ہے ، اس کی بہترین توضیح و تشریح عطّار کے ان ابیات میں مضمر ہے ۔ عطّار کے اشعار کی اس نوعیت کی وضاحت و تشریح ہندستانی مشایخ کے آثار میں جا بجا نظر آتی ہے ۔

خواجہ رکن الدّین بن عماد الدّین دبیر کاشانی شیخ نظام الدّین اولیاء کے خلیفہ خواجہ برہان الدّین غریب کے مرید تھے ۔ آپ نے شمائل الاتقیاء (۴۵) تالیف کی ہے جس میں مختلف عرفانی مسائل اور امور بیان کیے گئے ہیں ۔ عطّار کا تذکرۃ الاولیاء شمائل الاتقیاء کا ایک مأخذ ہے (۴۶) ۔ اس میں رابعہ بصری اور خواجہ حسن بصری کے بارے میں حکایات تذکرۃ الاولیاء ہی سے

ماخوذ ہیں۔ خواجہ رکن الدین نے پیر و مرشد کی پیروی و تقلید پر اصرار کے سلسلے میں عطار کے بارے میں ایک حکایت بیان کی ہے۔ خواجہ رکن الدین کا عقیدہ ہے کہ کمال دید آنست کہ اگر از شیخ قولی یا فعلی در وجود آید کہ آن بظاہر خلاف شریعت و طریقت نماید مرید باید کہ بد عقیدہ نشود و اعتراض نکند، ہر چہ بینی و نافہمی خود حمل کند (۴۶) پیر و مرشد کی پیروی کے نظریے کی مزید توضیح و تصدیق کے لیے خواجہ رکن الدین نے عطار کی عرفانی زندگی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ بہرحال قابل غور ہے کہ یہ حکایت ایک دوسرے صوفی سے متعلق ہے اور اسی طرح اس میں عطار کے مرشد کے نام میں بھی اشتباہ ہوا ہے۔ حکایت درج ذیل ہے:

> در آن کہ خواجہ شادندی را حادثہ چرانیدن خوکان پیش آمد، ہزار مرید صاحب سجادہ بد عقیدہ شدند کہ خواجہ فرید الدین عطار کہ ایشان را گفتند، چرا موافقت می کنید طلاق آن عہد خواجہ فرید الدین را تلقین کردند کہ در کفر موافقت می نمائی. خواجہ گفت از روی شرع ہمین آمد کہ شما می فرمائید فاما در صدق ارادت حاجت مرید بہ کرامت پیر و ملامت مرید بہ کرامت پیر باید، رباعی

آنجا کہ نصیب دوست ... | ... پریشان بخشند

تنہا ... مرا از ایشان واحد | در ہر باشم مرا پریشان بخشند

> در ہمہ مریدان خواجہ ... بظاہر ... و خلاف مردیدند، خواجہ فرید عطار بدیدۂ باطن نفاذ حکم دید و سری و معاملہ ای کہ حق را با شیخ بود، آن معاینہ کرد و موافقت نمود (۴۷)

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ فخر برصغیر پاک و ہند کو حاصل ہے کہ یہاں فارسی شعراء کا سب سے پہلا تذکرہ لباب الالباب ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء میں تالیف ہوا۔ اس میں غالباً سب سے پہلے عطار کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ برصغیر میں ایسے تذکرے بھی بڑی تعداد میں ترتیب دیے گئے ہیں جو مشائخ کے احوال و آثار اور تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ ثمراۃ القدس من الشجرات الانس برصغیر کے مشائخ کا شاید سب سے پہلا عمومی تذکرہ ہے۔ اسے لعل بیگ (متوفی ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۴ء) نے جو اکبر بادشاہ کے بیٹے شاہزادہ مراد کا بخشی تھا، تالیف کیا تھا۔ مؤلف کے دوست اور منتخب التواریخ کے مصنف عبدالقادر بدایونی کے شاگرد خواص خاں نے اس تذکرے کو آخری شکل دی۔ اس میں چار ابواب میں برصغیر کے ۵۸۹ مشائخ کے حالات جمع کیے گئے ہیں (۴۹)۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (متوفی ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۸ء) نے اخبار الاخیار فی اسرار الابرار مرتب کیا جسے برصغیر کے مشائخ کا ایک نہایت معتبر تذکرہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان دو تذکروں کے بعد اخبار الاصفیاء، گلزار ابرار، سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، مراۃ الاسرار، کرامات الاولیاء، سیر الاقطاب وغیرہ اہم تذکرے فارسی میں مرتب کیے گئے۔ ان میں سے بعض تذکروں میں عطّار کے تذکرۃ الاولیاء کو نمونہ بنایا گیا ہے اور چند تذکرہ نویسوں نے عطّار کے اسلوب نگارش کی پیروی کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

ذکر جمیع اولیائے دہلی (۵۰) میں دہلی میں مدفون ۲۰۹ عرفاء کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔ حبیب اللہ (متوفی ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء) ابن شیخ جہاں نے اپنا یہ تذکرہ ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء میں مکمل کیا (۵۱)۔ مُصنّف نے اپنے اس تذکرے کی تالیف میں تذکرۃ الاولیائے عطّار کو سر مشق قرار دیا ہے۔ حبیب اللہ نے اس تذکرے کے مقدّمے میں اس کی تالیف کی جو وجہ اور سبب بیان کیا ہے، وہ لازمی طور پر عطّار کے تذکرۃ الاولیاء سے ماخوذ ہے۔ عطّار نے اپنے تذکرے کی وجہ تالیف میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث نقل کی ہے: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمہ۔ اور ابو علی دقّاق (متوفی ۴۶۰ھ / ۱۰۶۸ء) کا یہ قول بھی پیش کیا ہے: روایت حالات مردان دین دو فائدہ دارد، یکی آن کہ اگر سامع مرید و طالب است، قوی ہمّت می گردد و دلش بدان قرار می گیرد۔ اس کے علاوہ عطّار اس ضمن میں قرآن حکیم سے یہ آیت بھی نقل کرتے ہیں: وکلا نقص علیک من انبیاء الرسل مانثبت بہ فوائدک۔

عطّار کی پیروی میں حبیب اللہ نے اپنے تذکرے "ذکر جمیع اولیائے دہلی" کی وجہ تالیف کے طور پر پیغمبر اسلام کی روح درج بالا حدیث، ابو علی دقاق کا قول اور قرآن کریم کی یہی آیت اپنے مقدّمے میں نقل کیے ہیں۔ اس طرح حبیب اللہ نے یہ کامیاب کوشش بھی کی ہے کہ تذکرۃ الاولیاء میں خواجہ عطار کی مانند عرفاء کے ناموں کے بعد استعمال کرے۔ عطار نے ہر عارف کے ترجمے کو دو یا تین مسجع و مقفّیٰ سطروں سے شروع کیا ہے اور اس طرح اپنے دور کی عام روش کی پیروی میں اپنے ہُنر کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً عطّار نے فضیل عیاض کا ترجمہ اس انداز سے شروع کیا ہے: از دو کون گردہ اعراض، پیر وقت فضیل عیاض

حبیب اللہ نے اسی طرز نگارش کی پیروی کی ہے۔ وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے احوال اس مسجّع اور مقفّیٰ عبارت سے شروع کرتے ہیں:

مقتدای عارفان کامل، پیشوای واصلان اکمل، زبدۂ اولیائی حق گزین، خواجہ قطب الدین۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ تذکرۃ الاولیاء میں عطار نے اور ذکر جمیع اولیائی دہلی میں حبیب اللہ نے مسجّع و مقفّیٰ عبارتیں محض ہُنرنمائی اور آرائش نثر کی خاطر نہیں لکھی ہیں، بلکہ ان میں ایک صوفی کی خصوصیات و امتیازات کو ایجاز کے ساتھ بیان کرنے کی دلچسپ کوشش کی ہے۔

شاہ محمد کاظم قلندر علوی نے اپنے مریدوں اور وابستگان کی راہنمائی کے لیے مقالات الصوفیہ (۵۱) تالیف کی ہے۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب میں عطّار کے تذکرۃ الاولیاء، جامی کی نفحات الانس اور رشحات سے استفادہ کیا ہے۔ شاہ محمد کاظم قلندر علوی نے اس کتاب میں بزرگ اور معروف مشائخ کے اقوال و تعلیمات تذکرۃ الاولیائی عطّار سے اخذ کیے ہیں۔ شاہ محمد کاظم قلندر علوی کے بیٹے تراب علی کاکوروی نے اپنے والد کی رحلت کے بعد یہ کتاب مکمل کی۔ وہ اپنے مقدّمے میں اس کتاب کی کیفیت و ماخذ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> این مختصر یست مشتمل بر اقوال بزرگان دین و کلام اولیای پیشین، مستنبط از کتاب تذکرۃ الاولیاء و نفحات و رشحات وغیرہ کہ اکثر از آن در ابتدای حال حضرت قبلہ گاہی و کعبہ کماہی موصوف از تذکرۃ الاولیاء برای تعلیم مریدان و تلقین طالبان برچیدہ بودند ..... (۵۲)۔

شیخ عبدالعزیز، چشتی سلسلے کے وہ عظیم المرتبت صوفی ہیں جو "تواضع و انکسار و شکست نفس و حلم و بردباری و صبر و رضا و تسلیم" میں مشائخ سلف کی یادگار تھے (۵۳)۔ آپ نے تقریباً ۷۰ (ستتر سال) طالبان حق کی راہنمائی کی اور چھے جمادی الثانی ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء کو واصل بحق ہوگئے۔ آپ فصوص الحکم کا درس دیتے تھے۔ درس کے دوران بعض عرفانی مقامات کی توضیح و تشریح کے لیے آپ عطّار کی تحریروں سے شواہد پیش کیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے اپنی مجلس میں ذکر کے سلسلے میں ارشاد فرمایا۔ ثمرۂ ذکر محبت و انس با حق سبحانہ است و رسیدن بہ حق عزّوجل بغیر ذکر محال، زیرا کہ عشق واسطہ وصول آمدہ ناچار ذکر برای عشق باید (۵۴)۔

اپنے اس عقیدے کے اظہار کے بعد شیخ عبدالعزیز نے تصدیق و تائید کے لیے عطّار کے درج ذیل ابیات پڑھے:

عشق را با کفر و با ایمان چہ کار — عاشقان را لحظہ ای با جان چہ کار
عشق مغزِ کائنات آمد مدام — لیک نبود عشق بی دردِ تمام
قدسیان را عشق ہست و درد نیست — درد را جز آدمی در خورد نیست

ہر کرا در عشق محکم شد قدم   در گذشت از کفر و از اسلام ہم
ذرّہ ای دردِ خدا در دل ترا   بہتر از ہر دو جہان حاصل ترا
کفر کافر را و دین دیندار را   ذرّۂ دردت دل عطار را (۵۵)

حضرت مجدّد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) جہاں تصوّف میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے خلیفہ ہیں جنھوں نے شاہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں رشد و ہدایت کی شمع کو روشن رکھا۔ آپ کے صاحبزادگان اور جانشین بھی صوفی اور عالم دین تھے اور اپنے والد کے مسلک کو عام کرنے میں مصروف رہے۔ ان کی کوششوں سے ایک بڑی تعداد اس نقشبندی مجددی سلسلے سے وابستہ ہوئی جس کے بانی حضرت مجدّد الف ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت مجدّد کے ایک بیٹے شیخ محمّد سعید نے اپنے والد اور خود اپنے وابستگان کے تصوّف و سلوک کی بابت مریدوں کے سوالات و خطوط کے جوابات لکھے ہیں۔ آپ کے یہ جوابات مکتوبات سعیدیہ کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کے سوالات کے جوابات دینے میں عرفانی مسائل و امور کی وضاحت و تشریح کے لیے خواجہ فرید الدّین عطّار کے آثار سے شواہد پیش کیے ہیں اور خود اپنی بات کو سمجھانے کے لیے اور بعض لطیف اور دقیق عرفانی موضوعات کی صراحت کے لیے عطّار کے اقوال و عقاید سے مدد لی ہے۔

شیخ محمّد سعید کے ایک مرید نے ایک سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے اسے لکھا تھا کہ:

> ازین بیان کسی توہم نکند کہ کثرت با وحدت متّحد گشت یا وحدت در کثرت حلول نمود کہ آن بہ اتفاق کفر است زیرا کہ حلول و اتحاد بر تقدیری متصوّر بود کہ وجودات متکثرّہ باشد و در وحدت وجود این اوہام مرفوع است (۵۶)

کثرت وحدت کے بارے میں اپنے اس نظریے کے اظہار کے بعد شیخ محمّد سعید اس کی تصدیق میں شیخ فرید الدّین عطّار قدّس سرّہ کا درج ذیل بیت نقل کرتے ہیں:

اینجا حلول کفر بود اتّحاد ہم   کاین وحدتی است لیک بتکرار آمدہ

برّصغیر کے مایۂ ناز محدث اور عالم دین شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ - ۶۳-۱۷۶۲ء) نے اپنے والد شاہ عبدالرّحیم (م ۱۱۳۱ھ - ۱۷۱۸ء) کے ملفوظات انفاس العارفین (۵۷) کے نام سے جمع کیے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم اپنی مجالس میں اپنی گفتگو کے دوران عطّار نیشاپوری کے اقوال و

تعلیمات کا حوالہ دیتے تھے ۔ ایک بار آپ نے اپنی ایک مجلس میں عطّار کا یہ بیت پڑھا :

عشق را با کافری خویشی بود　　کافری را مغز درویشی بود

شاہ صاحب مجلس میں اس بیت کے صرف ایک لفظ کی تشریح فرماتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اشکال پیدا ہوگیا ہے ۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس میں کفر کے معنی حسب و نسب اور دیگر اضافی چیزوں کو پوشیدہ رکھنا ہے ۔ اس صراحت کے بعد اس بیت میں کوئی مشکل نہیں رہ پاتی ۔ آپ عطار کے اس بیت

بااین ہمہ نزدیکی جانان چہ بسی دوری　　در عینِ وصالِ تو گشت این ہمہ مجوری

کی تشریح بھی اس طرح فرماتے ہیں کہ :

" رسیدن بہ سعادت (یعنی وصال بہ حق) ہماں طور مشکل است کہ حصول ہویت ذاتیہ با سیر مستطیل دگرنہ حق سبحانہ نزدیک تراز شہ رگ انسانہاست "

شاہ فخر الدّین (م ۱۲۶۲ھ ۔ ۱۸۴۶ء) انیسویں صدی کے وہ معروف اور بلند مقام عارف ہیں جنھیں چشتی سلسلۂ تصوّف کا مجدّد کہا جاتا ہے ۔ آپ کو مثنوی معنوی اور دیوانِ حافظ سے ایک خاص تعلق خاطر تھا ۔ اسی وجہ سے آپ اپنی مجالس میں ان دونوں فارسی کتابوں سے ابیات و اشعار نقل ، اور ان کی شرح و وضاحت فرمایا کرتے تھے ۔ آپ مولانا روم کا عرس بھی کیا کرتے تھے اور اس عرس کے موقع پر کسی نے نواز کو دعوت دینے کہ وہ نے بجائے (۵۸)۔ آپ نے ایک بار اپنی مجلس سماع میں اپنے ایک مرید مرزا ظریف بیگ کو حکم دیا کہ وہ عطّار کی مثنوی منطق الطّیر سے چند ابیات مثنوی مولوی کی طرز پر خوش الحانی سے پڑھے تاکہ حاضرینِ مجلس محظوظ ہو سکیں اور فائدہ حاصل کر سکیں ۔ حاضرینِ مجلس پر منطق الطّیر کی ابیات نے وجد کا عالم طاری کر دیا (۵۹)۔ افسوس یہ ہے کہ منطق الطّیر کی جو ابیات اس مجلسِ سماع میں پڑھی گئیں وہ کسی ماخذ میں نقل نہیں کی گئی ہیں ۔

آخر میں عرض کر دینا ضروری ہے کہ برّصغیر کے تقریبا تمام عظیم عرفاء و مشائخ نے شیخ فریدالدّین عطّار کے مناقب و مقامات و تعلیمات پر کسی نہ کسی انداز سے گفتگو کی ہے ۔ جس کا مکمل جائزہ لینا ایک مقالے کی حدود سے تجاوز ہوگا ۔ اس لیے فی الحال اس اجمالی تبصرے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

حواشی

(۱) عطّار کے سال رحلت میں اختلاف ہے ۔ استاد سعید نفیسی نے عطّار کی تاریخ وفات دہم جمادی الآخر ۶۲۷ ہجری متعین کی ہے جو جامی نے نفحات الانس میں لکھی ہے ۔ ر۔ک جستجو در احوال و آثار فرید الدّین عطّار نیشا پوری ، ص سو ، اس کے بر خلاف استاد عبدالحسین زرّین کوب کا خیال ہے کہ عطّار کی وفات کو ۶۱۸ ھ میں متعین کرنا زیادہ صحیح ہے ۔ ر۔ک ۔ جستجو در تصوف ایران ، ص ۲۶۹

(۲) احمد خیوقی کے بیٹے شیخ نجم الدّین عمر معروف بہ کبریٰ ، کبروی سلسلۂ تصوف کے بانی ہیں ۔ آپ نے چند صاحبان معرفت عرفاء کی تربیت کی ۔ مفصل حالات کے لیے ر۔ک: نفحات الانس ، ۴۱۹

(۳) مجد الدّین ابو سعید شرف بن مؤید بن محمّد بن ابوالفتح بغدادی چھٹی صدی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل کے معروف صوفی ہیں ۔

(۴) تفصیل کے لیے ر۔ک : نفحات الانس ۶۹۹ ، اور رسالہ در تحقیق احوال مولانا جلال الدّین رومی ، ۱۸۰

(۵) مولانا روم سے منسوب یہ شعر معروف ہے ۔

عطّار روح بود و سنائی دو چشمِ او ما از پی سنائی و عطّار آمدیم

(۶) نفحات الانس ۵۹۹

(۷) ایضاً ص ۶۰۰ ، فیضی نے اپنے بھائی ابوالفضل سے عطّار کے " مصیبت نامہ " کے مطالعے کی سفارش کی تھی اور لکھا تھا کہ : خیلی از اذواق و مواجید در آنجا درج است ، انشای فیضی ، ص ۳۱۷

(۸) تذکرۃ الاولیاء ، مقدّمۂ مُصنّف

(۹) بحوالہ مقالہ " ارزش ترویج فارسی درشبہ قارہ " از ڈاکٹر انعام الحق کوثر ، مجموعۂ سخن رانیہای نخستین سیمینار پیوستگیہای فرہنگی ایران و شبہ قارہ ، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ، اسلام آباد ۱۹۹۳ء ، ص ۲۸۶ ۔ ۲۸۷ ۔

(۱۰) تفصیل کے لیے ر۔ک C.E. Bosworth : The Later Ghaznavids ص ۷۳ ۔ ۸۱

(۱۱) فتوح السلاطین ۱۱۴

(۱۲) لباب الالباب ۴۸۰

(۱۳) مثنوی گل و بلبل، مقدمہ ۲۰

(۱۴) بوعلی قلندر کے مفصل حالات زندگی کے لیے رک : اخبار الاخیار ۱۳۵، مقدمہ مثنوی گل و بلبل۔

(۱۵) بحیرہ ۳۱۶ ۔ ۳۱۷

(۱۶) تصحیح و تحشیہ و مقدمہ از ڈاکٹر ساجد اللہ تفیسی

(۱۷) مقدمہ گل و بلبل ۳۰

(۱۸) مثنوی معنوی ۱۱۵۷

(۱۹) منطق الطیر ۱۰

(۲۰) ایضاً ۴۳

(۲۱) ایضاً ۴۴

(۲۲) ایضاً ۴۵

(۲۳) گل و بلبل ۳۷

(۲۴) حضرت محبوب الٰہی کی حیات مبارک، تعلیمات اور آثار سے متعلق کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں چند اہم درج ذیل ہیں :
تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء از پروفیسر محمد حبیب، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء— خانقاہ مبارک کی ایک جھلک از پروفیسر نثار احمد فاروقی۔

(۲۵) اس کا فارسی متن اور اردو ترجمہ دہلی سے ۱۹۹۰ء میں شایع ہوا ہے۔

(۲۶) فوائد الفواد ۱۱۳، خیر المجالس ۱۵۱

(۲۷) فوائد الفواد ۱۹۴

(۲۸) اخبار الاخیار ۵۰

(۲۹) فوائد الفواد ۴۲۷

(۳۰) ایضاً ۴۲۸

(۳۱) ایضاً ۴۲۸

(۳۲) ایضاً ۴۲۸، امیر خورد کرمانی نے بھی یہ حکایت سیر الاولیاء، ص ۸۹، پر بیان کی ہے۔

(۳۳) تذکرۃ الشعراء، ۱۸۷۔۱۹۲

(۳۴) جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشا پوری، ص سط

(۳۵) جستجو در تصوف ایران، ۳۶۹،

(۳۶) فوائد الفؤاد ۸۰۹

(۳۷) فوائد الفواد ۸۹

(۳۸) ایضاً ۸۹، امیر خورد کرمانی نے بھی سیر الاولیاء ص ۶۵۲ پر یہ حکایت نقل کی ہے۔

(۳۹) فوائد الفواد ۸۹

(۴۰) تفصیل کے لیے ر۔ک " فوائد الفواد کا علمی مقام " ص ۲۴۷۔ ۲۵۶

(۴۱) امیر خورد کے احوال زندگی کے لیے خود ان کی سیر الاولیاء ایک معتبر ماخذ ہے۔

(۴۲) سیر الاولیاء ۱۹۳

(۴۳) ایضاً ۵۱۷

(۴۴) ایضاً ۷۲۶،

(۴۵) ایضاً ۵۱۷

(۴۶) شمائل الاتقیا، ص ۸۱ وغیرہ

(۴۷) ایضاً ۵۵

(۴۸) ایضاً ۵۵

(۴۹) فہرست نسخ خطی فارسی، سالار جنگ میوزیم۔ م ۳، ص ۲۶

(۵۰) راقم کی تصحیح و تعلیقات کے ساتھ مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ راجستھان، سے ۱۹۸۸ء میں شایع ہوا ہے۔

(۵۱) اس تذکرے کے بارے میں مفصل اطلاعات کے لیے رک: مقدمۂ مرتب، ذکر جمیع اولیای دہلی

(۵۲) مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ (سال طباعت ندارد)

(۵۳) مقالات الصوفیہ ۲

(۵۴) ایضاً ۱۳۹

(۵۵) ایضاً ۱۳۸۔ ۱۳۹

(۵۶) ایضاً ۱۳۹
(۵۷) مکتوبات سعیدیہ ۸۰
(۵۸) مطبوعہ مجتبائی پریس، ۱۳۳۵ھ
(۵۹) ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی ۱۸۸
(۶۰) ایضاً ۱۸۸

فہرستِ مراجع

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار : شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، کتب خانۂ رحیمیہ، دیو بند (سال طباعت ندارد)
انشای فیضی : تصحیح ذاکر اے۔ ڈی ارشد، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۳ء
انفاس العارفین : شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۵ھ
تذکرۃ الاولیاء : شیخ فرید الدین عطّار نیشا پوری، تصحیح دکتر محمّد استعلامی، انتشاراتِ زوّار، تہران ۱۳۴۶ش
جستجو در احوال و آثار شیخ فرید الدّین عطّار نیشا پوری : استاد سعید نفیسی، کتا بفروشی اقبال، تہران ۱۳۲۰ش
جستجو در تصوف ایران : ڈاکٹر عبدالحسین زرّین کوب، امیر کبیر، تہران ۱۳۶۷ش
ذکر جمیع اولیای دہلی : حبیب اللہ تصحیح و تعلیقات پروفیسر شریف حسین قاسمی، ۱۹۸۸ء
رسالہ در تحقیق احوال مولانا جلال الدّین محمّد : استاد بدیع الدّین فروز انفر، تہران، ۱۳۱۵ش
سیر الاولیا : امیر خورد کرمانی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء
شمائل الاتقیا : خواجہ رکن الدّین بن عماد الدّین۔ اشرف پریس، حیدر آباد، ۱۳۴۷ھ
فتوح السلاطین : عصامی، مدراس (ہند)
فوائد الفواد : امیر حسن علاء سجزی دہلوی۔ متن و اردو ترجمہ از حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دہلی ۱۹۹۰ء
فوائد الفواد کا علمی مقام : مفسّرِ قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی، ادارۂ رحمت عالم، دہلی ۱۹۹۴ء
فہرست نسخ خطّی فارسی، سالار جنگ میوزیم (انگریزی) : محمّد اشرف، حیدر آباد، کن، ۱۹۸۰ء
کلمات الصّادقین : محمّد صادق دہلوی، تصحیح ڈاکٹر محمد سلیم اختر، مرکز تحقیقات فارسی ایران، پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۸ء

لباب الالباب : محمدؒ عوفی ، تصحیح استاد سعید نفیسی ، تہران ۱۳۳۵ش
مثنوی گل و بلبل : ابو علی قلندر ، تصحیح ڈاکٹر ساجد اللہ نفیسی ، مقبول اکادمی ، لاہور ، ۱۹۷۹ء
مثنوی مولانا روم : جلال الدین محمدؒ ، تہران ۱۳۵۰ش
مقامات الصوفیہ : شاہ محمدؒ کاظم قلندر علوی ، نولکشور ، لکھنؤ (سال طباعت ندارد) .
منطق الطیر : شیخ فرید الدین عطار ، تہران ۱۳۱۹ش
مکتوبات سعیدیہ : تصحیح حکیم عبدالحمید احمد سیفی ، مکتبہ حکیم سیفی ، لاہور (سال طباعت ندارد)
ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی (ترجمہ اردو فخر الطالبین و مناقبِ فخریہ) بکوشش میر نذر علی درد کاکوروی ، سلمان اکادمی ، کراچی (سال طباعت ندارد)
نفحات الانس : مولانا عبدالرحمن جامی ، تصحیح و مقدمہ و پیوست مہدی توحیدی پور ، کتاب فروشی محمودی ، ایران۔
The Latter Ghaznavids: C.E Bos worth, Columbia University Press, New York , 1977